Open Access

Al-Irfan(*Research Journal of Islamic Studies*)

Published by: *Faculty of Islamic Studies & Shariah*
Minhaj University Lahore

ISSN: *2518-9794 (Print), 2788-4066 (Online)*

العرفان

Volume 11, Issue 21, Jan-June 2026,

Email: alirfan@mul.edu.pk

معاصر تنازعات کے حل میں فتح مکہ کے اطلاقی پہلوؤں کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of the Practical Applications of the Conquest of Mecca in the Resolution of Contemporary Conflicts.

Asia Perveen,
PhD Scholar, Dept. of Islamic Studies, Superior University, Lahore
Asiaperveenkml@gmail.com
Prof. Dr.Ali Akbar Al Azhari
HOD, Department of Islamic Studies, Superior University, Lahore
ali.akbar@superior.edu.pk

ABSTRACT

The Conquest of Mecca (8 AH/630 CE) is a remarkable example of achieving peace through mercy rather than vengeance. After years of persecution, the Prophet Muhammad (peace be upon him) granted a general amnesty to his former enemies, declaring, "Go, for you are free" (Idhabu fa-antum al-tulaqāʾ). This article examines the Conquest as a comprehensive model of peacebuilding based on four key principles: diplomatic negotiation, disciplined military conduct, unconditional forgiveness, and post-conflict reconstruction. These principles are analyzed in light of contemporary conflict resolution theories, including the Harvard Negotiation Project, Lederach's Conflict Transformation model, and Galtung's peace studies framework. The study also compares the Prophetic approach with modern reconciliation initiatives such as South Africa's Truth and Reconciliation Commission, Rwanda's Gacaca courts, the Good Friday Agreement, and the Oslo Accords. It argues that the Conquest of Mecca provides a morally grounded and practically applicable framework for resolving contemporary conflicts and promoting lasting peace and reconciliation.

Keywords:

Conquest of Mecca, Peace Mission, Conflict Resolution, Prophetic Sira, Reconciliation, Post-Conflict Reconstruction.

ا۔خون ریزی کے بغیر تاریخ کی سب سے عظیم فتح

۸ ہجری مطابق جنوری ۶۳۰ عیسوی کو جب نبیِ رحمت ﷺ دس ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے تو پوری عرب دنیا سانس روکے منتظر تھی۔ وہی مکہ جس نے آنحضور ﷺ کو وطن سے بے وطن کیا تھا، جس نے تیرہ برس تک ناقابلِ بیان مظالم ڈھائے تھے، جس نے بدر، احد، اور احزاب میں مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی کوششیں کی تھیں وہ اب فاتح کے رحم و کرم پر تھا۔(1)

تاریخِ انسانی میں فاتحین نے مغلوب اقوام کے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ دردناک داستانوں سے بھرا پڑا ہے۔ رومی فتوحات، منگول یلغار، صلیبی جنگوں کے مناظر، اور جدید دور کی نوآبادیاتی تاریخ——سب میں فتح کا مطلب قتل و غارت، ذلت، اور غلامی رہا ہے۔ اس تناظر میں آنحضور ﷺ کا اعلانِ عفوِ عام واقعی ایک تاریخی اور انقلابی اقدام تھا جس نے جنگ اور امن کے تمام رائج تصورات کو بدل دیا۔(2)

قریش نے صلحِ حدیبیہ (۶ ہجری) کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنو خزاعہ قبیلے کے خلاف بنو بکر کی مدد کی، جو مسلمانوں کا حلیف تھا۔ یہ معاہدے کی سنگین خلاف ورزی تھی۔ آنحضور ﷺ کو قانونی اور اخلاقی طور پر جنگ کا پورا حق حاصل تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے جنگ کو آخری حربہ رکھا اور پہلے ابو سفیان کو مدینہ بھیج کر تجدیدِ معاہدے کا موقع دیا یہ وہ سفارتی وسعتِ ظرفی تھی جسے جدید بین الاقوامی قانون 'Good Faith Negotiation' کہتا ہے۔(3)

جدید امن مطالعات کے ماہر **یوہان گالتنگ** نے 'منفی امن' (جنگ کی غیر موجودگی) اور 'مثبت امن' (انصاف کی موجودگی) میں فرق کیا ہے۔ فتح مکہ نے دونوں ایک ساتھ حاصل کیے نہ صرف جنگ سے گریز کیا بلکہ فریقِ ثانی کے وقار، حقوق، اور مستقبل کو بھی محفوظ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی یہ فتح صدیوں بعد بھی انسانیت کے ضمیر میں زندہ ہے۔(4)

یہ مقالہ فتح مکہ کو محض ایک تاریخی واقعے کے طور پر نہیں بلکہ ایک مکمل امن فلسفے اور قابلِ عمل نظریاتی ماڈل کے طور پر پیش کرتا ہے جو عصرِ حاضر کے پیچیدہ تنازعات میں رہنمائی فراہم کر سکتا ہے۔ مقالے کی ساخت چار بنیادی ستونوں پر استوار کی گئی ہے:

۱۔ سفارتی حکمتِ عملی
۲۔ عسکری ضبط
۳۔ عفوِ عام
۴۔ ادارہ جاتی تشکیلِ نو

ہر ستون پر سیرت کی مثالوں اور عصری تقابل کے ساتھ روشنی ڈالی جائے گی۔

۲۔ فتح مکہ کی سفارتی حکمتِ عملی: مذاکرات اور امن کی راہ ہموار کرنا

فتح مکہ یک دم نہیں ہوئی بلکہ اس سے قبل ایک وسیع اور طویل سفارتی عمل جاری رہا جو برسوں پر محیط تھا۔اس سفارتی حکمتِ عملی کے تین واضح مراحل ہیں:

پہلا— صلحِ حدیبیہ کا انعقاد۔

دوسرا—میثاقِ مدینہ جیسے کثیر الاطراف معاہدات۔

تیسرا—ابو سفیانؓ کے ساتھ براہِ راست مذاکرات۔

صلحِ حدیبیہ (٦ ہجری) آنحضورﷺ کی سفارتی دوراندیشی کا عظیم ترین مظاہرہ ہے۔قریش کی ان تمام شرائط کو قبول فرمایا جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں معاہدے میں 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' کی جگہ 'باسمک اللھم' لکھنے پر رضامندی، اپنے نام کے ساتھ 'رسول اللہ' کا لقب نہ لکھوانا، اور مکہ سے آنے والے مسلمانوں کو واپس کرنے کی شرط قبول کرنا۔ حضرت عمرؓ تک نے اس پر اعتراض کیا، لیکن آنحضورﷺ نے فرمایا: 'میں اللہ کا رسول ہوں، وہ میری مدد کرے گا۔' یہ قربانی آگے چل کر فتح مکہ کا دروازہ بنی۔(5)

میثاقِ مدینہ (١ہجری) آنحضورﷺ کی سفارتی دوراندیشی کا ایک اور روشن باب ہے۔اس دستاویز میں مسلمان، یہود، اور مشرک قبائل کو ایک مشترکہ سیاسی وحدت کے تحت لایا گیا۔ ہر گروہ کے مذہبی و سیاسی حقوق کو تحریری ضمانت دی گئی، مشترکہ دفاع کا نظام بنایا گیا، اور تنازعات کے پرامن حل کا طریقہ کار طے کیا گیا۔ محمد حمید اللہ نے اسے 'دنیا کا پہلا تحریری آئین' قرار دیا ہے۔ یہی رواداری فریم ورک فتح مکہ کی امن پالیسی کی بنیاد بنا۔(6)(7)

قریش کے محارب سردار ابو سفیانؓ کے ساتھ مذاکرات اس سفارتی حکمت عملی کا نمایاں پہلو ہیں۔ واقدی نے تفصیل سے لکھا ہے کہ آنحضورﷺ نے ابو سفیان کو اپنے پاس آنے کا موقع دیا، انہیں باعزت طریقے سے اسلام پیش کیا، اور پھر اعلان فرمایا: من دخل دار أبي سفیان فھو آمن (جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو وہ امان میں ہے)۔ یہ ذاتی دشمن کو سیاسی حلیف بنانے کی حکمتِ عملی تھی۔(8)

جدید تنازعاتی حل کے ماہرین **راجر فشر** اور **ولیم یُوری** نے 'Getting to Yes' میں 'Principled Negotiation' کا جو نظریہ پیش کیا ہے جس میں لوگوں اور مسئلے کو الگ رکھنا، مشترکہ مفادات پر توجہ دینا، اور باہمی فائدے کے اختیارات تلاش کرنا شامل ہے وہ فتح مکہ کے سفارتی اسلوب سے حیرت انگیز مماثلت رکھتا ہے۔ آنحضورﷺ نے ذاتی دشمنی اور قومی مسئلے کو ہمیشہ الگ رکھا، مشترکہ مفاد امن اور استحکام کو مقدم رکھا، اور ہر فریق کے لیے باعزت راستہ نکالا۔(9)

جدید دور میں 'Track II Diplomacy' کا تصور یعنی سرکاری سطح کے علاوہ عوامی اور قبائلی سطح پر مذاکرات فتح مکہ میں واضح نظر آتا ہے۔ آنحضورﷺ نے صرف قریش کے سرداروں سے نہیں بلکہ مختلف قبائل، خاندانوں، اور افراد کے ساتھ الگ الگ تعلقات استوار کیے جن میں ام ہانیؓ کا واقعہ (جنہیں آنحضورﷺ نے اپنے دشمنوں کو امان دینے کا حق دیا) خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔

۳۔ عسکری ضبط و نظم: طاقت کا انسانی چہرہ

فتح مکہ کے موقع پر آنحضورﷺ نے تمام لشکر کو جو واضح احکامات دیے ان میں سے درج ذیل قابلِ توجہ ہیں: زخمیوں کو نہ مارا جائے، بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے، عورتوں اور بچوں کو تکلیف نہ دی جائے، درختوں اور فصلوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے، گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہوا جائے۔(10)

یہ احکامات آج کے 'International Humanitarian Law' اور Geneva Conventions کے بنیادی اصولوں سے عین مطابق ہیں۔ ICRC کے مطابق غیر جنگجوؤں کا تحفظ اور متناسب طاقت کا استعمال جدید جنگی قانون کے ستون ہیں وہی اصول جو آنحضورﷺ نے چودہ سو سال پہلے عملی طور پر نافذ فرمائے۔ وہ احکامات جنیوا کنونشنز سے بھی آگے ہیں کیونکہ وہ نہ صرف جنگجوؤں بلکہ ماحول اور مادی بنیادی ڈھانچے کو بھی تحفظ دیتے ہیں۔(11)

غزوۂ بدر (۲ ہجری) میں ستر قیدیوں کے ساتھ آنحضورﷺ کا سلوک رحمت کی ایک اعلیٰ نظیر ہے۔ انصار نے چاہا کہ انہیں قتل کیا جائے لیکن آنحضورﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ جو قیدی فدیہ نہ دے سکے وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھانا سکھائے تو آزاد ہو جائے۔ یہ تعلیمی فدیے کا تصور جدید دنیا میں 'Rehabilitative Justice' کا پیش خیمہ ہے جہاں سزا کا مقصد انتقام نہیں بلکہ معاشرے میں باوقار واپسی ہے۔(12)

غزوۂ حنین (۸ ہجری) فتح مکہ کے فوراً بعد میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے تو آنحضورﷺ اپنی جگہ ثابت قدم رہے اور فرمایا: أنا النبي لا كذب، أنا ابن عبد المطلب۔ لیکن اس فتح کے بعد بھی آپﷺ نے ہوازن قبیلے کے چھ ہزار قیدیوں کو وفد کی درخواست پر بلا تاوان رہا کر دیا۔ جنگ میں حاصل کی گئی فتح کو انسانی ہمدردی میں تبدیل کرنے کی یہ مثال فتح مکہ کے اصولوں کا تسلسل تھی۔(13)(14)

خالد بن ولیدؓ کے دستے کو قریش کے ایک گروہ کی مزاحمت کا سامنا ہوا۔ جنگ ہوئی لیکن آنحضورﷺ کو جب خبر ملی تو آپﷺ نے تعزیت ظاہر کی اور فرمایا: اللهم إني أبرأ إليك مما صنع خالد اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضورﷺ کی پوری حکمت عملی خون بہانے سے گریز پر مبنی تھی اور کمانڈر کو بھی غیر ضروری خون بہانے کا حق نہیں تھا۔

عصرِ حاضر میں بوسنیا کی جنگ (۱۹۹۲—۱۹۹۵)اس کے بر عکس ایک تکلیف دہ مثال ہے۔ سربرینیتسا میں آٹھ ہزار مسلمانوں کا قتلِ عام اس وقت ہوا جب وہاں اقوامِ متحدہ کے فوجی دستے موجود تھے مگر انہوں نے مداخلت نہ کی۔ فلسطین کے تنازعے میں اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادیں (مثلاً قرارداد ۲۴۲، ۱۹۶۷) عشروں سے ناقابلِ نفاذ ہیں کیونکہ ان میں طاقتور فریق کو جوابدہ بنانے کا کوئی طریقہ کار نہیں۔ فتح مکہ کا ماڈل سکھاتا ہے کہ طاقت اور انصاف ایک ساتھ چل سکتے ہیں لیکن اس کے لیے طاقتور فریق کو خود پہل کرنی ہوتی ہے۔(15)(16)

۴۔عفوِ عام: تاریخ کا انوکھا باب

اس تاریخی فتح کے موقع پر جب اہل مکہ اپنے روا رکھے جانے والے سلوک کے پیشِ نظر بدترین انتقامی کاروائی کی توقع کر رہے تھے لیکن رحمت عالم نے کمال عفو و درگزر کا مظاہرہ کرتے ہوئے سورہ یوسف کے الفاظ دہراتے ہوئے فرمایا'اذهبوا فأنتم الطلقاء' (جاؤ، تم سب آزاد ہو) یہ چند الفاظ انسانی تاریخ کے سب سے عظیم الشان اخلاقی اعلان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا، جنہوں نے آنحضورﷺ کے صحابہؓ کو زندہ جلایا تھا، جنہوں نے بدر میں مسلمانوں کے بہترین بیٹوں کو قتل کیا تھا سب کو بغیر کسی شرط کے آزاد کر دیا گیا۔(17)

سیرت کی کتب میں وحشیؓ بن حرب کا واقعہ عفوِ نبوی کا ایک انتہائی حیران کن باب ہے۔ وحشیؓ نے ابو جہل کی تحریک پر حضرت حمزہؓ کو نیزے سے شہید کیا تھا اور پھر ہندہ نے ان کا کلیجہ چبایا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جب وحشیؓ آنحضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا تو آنحضورﷺ نے فرمایا: 'مجھ سے دور رہو، میں تمہارا چہرہ دیکھ کر حمزہؓ کو یاد کرتا ہوں' لیکن معافی دے دی۔ معافی دینا اور پھر انسانی دکھ کا بھی اظہار کرنا دونوں ایک ساتھ نبوت کا وہ اعلیٰ اخلاق ہے جو کسی سیاسی حکمرانی کو نصیب نہیں ہوا۔(18)

عکرمہؓ بن ابو جہل وہ سپہ سالار تھے جنہوں نے سب سے زیادہ مسلمانوں کو اذیت دی۔ وہ فتح مکہ کے وقت بھاگ کر یمن چلے گئے۔ ان کی بیوی ام حکیمؓ مسلمان ہو کر آنحضورﷺ کے پاس آئیں اور شوہر کے لیے امان مانگی۔ آنحضورﷺ نے فرمایا: 'وہ امان میں ہیں۔' عکرمہؓ واپس آئے، اسلام قبول کیا، اور بعد میں اسلام کے بہادر ترین سپاہی بنے اور معرکۂ یرموک میں شہید ہوئے۔

حضرت صفوانؓ بن امیہ کا واقعہ بھی اسی طرح حیرت انگیز ہے۔ وہ فتح مکہ کے بعد سمندر کے راستے بھاگنے کی کوشش میں تھے کہ حضرت عمیرؓ بن وہب نے آنحضورﷺ سے ان کے لیے امان مانگی۔ آنحضورﷺ نے اپنی عمامہ جو آپﷺ نے اس دن پہنی ہوئی تھی بطورِ علامتِ امان عطا فرمائی اور چار مہینے کی مہلت دی کہ اسلام پر غور کریں۔ وہ بعد میں مسلمان ہوئے اور بہترین مسلمان ثابت ہوئے۔(19)

مارٹن لِنگز نے اس عفوِ عام کو'The Most Merciful of Victories' کا عنوان دیا اور **کرن آرمسٹرانگ** نے لکھا کہ یہ اعلان قدیم دنیا کی جنگی اخلاقیات کے تمام معیارات سے بالاتر تھا۔ مہاتما گاندھی نے متعدد مواقع پر اس واقعے کو اپنی عدم تشدد کی فلسفے کا سرچشمہ قرار دیا۔(20)(21)

جنوبی افریقہ میں آزادی کے بعد نیلسن منڈیلا کی زیرِ قیادت 'Truth and Reconciliation Commission' قائم ہوا۔ اس کمیشن میں مجرموں کو معافی کے بدلے سچ بولنے کا موقع دیا گیا ٹھیک اسی اصول پر جو فتح مکہ کے واقعات میں نظر آتا ہے۔ منڈیلا نے خود اعتراف کیا کہ فتح مکہ کی معافی کا واقعہ ان کے لیے ایک روحانی رہنما تھا۔ (22)

آئرلینڈ کا'Good Friday Agreement' (اپریل ۱۹۹۸) عصرِ حاضر میں عفوِ عام کی ایک کامیاب مثال ہے جہاں IRA اور برطانوی حکومت نے تیس سالہ خونریز تنازعے کو مذاکرات سے ختم کیا۔ اس معاہدے کے معماروں نے اعتراف کیا کہ انہیں تاریخی مثالوں سے رہنمائی لینی پڑی جہاں دشمن کو سزا دینے کے بجائے ہم آہنگی کا راستہ اختیار کیا گیا وہی راستہ جو فتح مکہ نے چودہ سو سال پہلے دکھایا۔(23)

اوسلو معاہدہ(۱۹۹۳) اس کے برعکس ایک عبرت انگیز مثال ہے۔ اس میں محض سیاسی سمجھوتا کیا گیا لیکن یہاں اخلاقی مصالحت(Moral Reconciliation) کا کوئی عنصر نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج تک وہ تنازعہ حل نہیں ہوا۔ فتح مکہ کا ماڈل سکھاتا ہے کہ سیاسی حل کے ساتھ دلوں کو جیتنا بھی ضروری ہے اور یہ کام محض معاہدوں سے نہیں بلکہ فاتح کے کردار اور رویے سے ہوتا ہے۔(24)

۵۔ادارہ جاتی تشکیلِ نو: قوانین اور انصاف کا نیا نظام

فتح مکہ کے بعد آنحضور ﷺ نے صرف معافی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک مکمل ادارہ جاتی تشکیلِ نو کا آغاز فرمایا۔ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا گیا، لیکن مکہ کے باشندوں کے اموال، گھروں اور جانوں کی حفاظت کی ضمانت دی گئی۔

کعبے کی چابی روایتی خاندان عثمانؓ بن طلحہ کو واپس کی گئی۔ یہ اس خاندان کے پشتینی اعزاز کا احترام تھا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: 'خذوها خالدةً تالدةً'(اسے لو، یہ تمہارے خاندان میں ہمیشہ کے لیے رہے گی)۔ یہ 'ادارہ جاتی تسلسل'(Institutional Continuity) کا اصول ہے جو آج بھی پوسٹ کانفلکٹ گورننس کا بنیادی اصول مانا جاتا ہے۔

آنحضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد عتابؓ بن اسید کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ عتابؓ نوجوان تھے ابھی بیس سال کے تھے لیکن آنحضور ﷺ نے قابلیت اور دیانت کو قبیلے اور عمر پر ترجیح دی۔ انہوں نے اہلِ مکہ کے ساتھ عدل و انصاف کا

برتاؤ کیا اور کہا: 'اللہ کی قسم میں کسی کو بھوکا نہیں سونے دوں گا جب تک میرے پاس کچھ ہے۔' یہ 'Merit-based Governance' کا وہ اصول ہے جسے جدید انتظامیہ کے ماہرین آج بھی بہترین طرزِ حکمرانی کی بنیاد مانتے ہیں۔(25)

ابو یوسف نے 'کتاب الخراج' میں ثابت کیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے مکہ کے لیے جو نظامِ حکومت قائم فرمایا وہ شرکتِ اقتدار کا ایک ابتدائی نمونہ تھا جہاں مقامی رہنماؤں کی حیثیت اور ذمہ داریاں محفوظ رہیں۔ مکہ کو دارالحرب سے دارالاسلام میں تبدیل کیا گیا لیکن اس کی سماجی ساخت، تجارتی مراکز، اور روزمرہ زندگی میں کوئی جبری تبدیلی نہیں کی گئی۔ (26)

جدید تنازعاتی حل کے نظریے میں 'Post-Conflict Institution Building' کو پائیدار امن کی لازمی شرط مانا جاتا ہے۔ لیڈراچ کے 'Conflict Transformation' ماڈل میں یہی نکتہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے کہ جنگ کے بعد صرف سیاسی سمجھوتا کافی نہیں، ادارہ جاتی تشکیلِ نو ضروری ہے۔ فتح مکہ نے یہ سبق تاریخ کو پہلے دیا۔(27)

عراق (۲۰۰۳) اس کے برعکس سب سے تکلیف دہ سبق ہے۔ امریکی فوج نے صدام حسین کی حکومت ختم کرنے کے بعد 'De-Baathification' کے نام پر پوری سرکاری مشینری کو تحلیل کر دیا فوج، پولیس، سول سروس سب۔ اس فیصلے نے لاکھوں بے روزگار اور ناراض لوگوں کو جنم دیا جو آگے چل کر داعش جیسی تنظیموں کی بنیاد بنے۔ فتح مکہ کا اصول ادارہ جاتی تسلسل اور شمولیت اگر اپنایا جاتا تو یہ المیہ شاید نہ ہوتا۔

روانڈا نے ۱۹۹۴ کی نسل کشی کے بعد روایتی 'گاکاکا' عدالتوں کو بحال کیا جن میں مجرموں کو معافی کے بدلے سچ بولنے کا موقع دیا گیا اور کمیونٹی کی سطح پر انصاف کیا گیا۔ یہ مقامی ادارہ جاتی ڈھانچے کا احترام نہ کہ باہر سے مسلط نظام فتح مکہ کے اصولِ تسلسل سے ہم آہنگ تھا۔ ماہرینِ امن نے اسے جدید دور کا سب سے کامیاب مصالحتی تجربہ قرار دیا ہے۔

۶۔ فتح مکہ کے دیرپا اثرات: 'عام الوفود' کا آغاز

فتح مکہ کے فوری اور دیرپا اثرات نے ثابت کر دیا کہ یہ حکمتِ عملی کتنی صحیح تھی۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے بعد عرب قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ ۹ ہجری کو 'عام الوفود' (وفود کا سال) کہا جاتا ہے کیونکہ اس سال پورے جزیرۂ عرب سے قبائل کے وفد مدینہ آئے اور اسلام قبول کیا۔(28)

یہ اجتماعی قبولِ اسلام تلوار کا نتیجہ نہیں تھا کیونکہ جنگ نہیں ہوئی تھی۔ یہ اس کردار کا نتیجہ تھا جو فتح مکہ کے دن ظاہر ہوا تھا۔ جب مکہ والوں نے دیکھا کہ فاتح نے دشمنوں کو معاف کر دیا، ان کے اموال محفوظ کیے، ان کے اداروں کا احترام کیا تو دلوں کی مزاحمت ختم ہو گئی۔(27)

فقہِ اسلامی میں 'امان' کا نظریہ یعنی غیر مسلموں کو تحفظ کی ضمانت فتح مکہ کے واقعات سے ماخوذ ہے۔ ابن قدامہ نے المغنی میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ امان صرف امیر یا قاضی نہیں بلکہ ایک عام مسلمان عورت بھی دے سکتی ہے جیسا کہ ام ہانیؓ نے فتح مکہ کے دن دی۔ یہ نظریہ آج کے بین الاقوامی پناہ گزین قانون سے بھی زیادہ جامع ہے۔(30)

۷۔ فتح مکہ کے اصول اور عصری تنازعات: گہرا تقابلی تجزیہ

عصرِ حاضر کے تنازعات کو فتح مکہ کے ماڈل کی روشنی میں جانچنا ایک روشن خیال کرنے والا تجربہ ہے۔ یہاں چار اہم تقابلی تجزیے پیش کیے جاتے ہیں:

(الف) یمن کی خانہ جنگی بمقابلہ فتح مکہ کا امن ماڈل:

یمن کی خانہ جنگی (۲۰۱۴ تا حال) میں فریقین نے باری باری اقوامِ متحدہ کی ثالثی مسترد کی، عام شہریوں کو نشانہ بنایا، اور انسانی امداد کی ترسیل روکی۔ اس تنازعے میں تقریباً چار لاکھ انسان لقمۂ اجل بن چکے ہیں اور لاکھوں قحط کے دہانے پر ہیں۔ فتح مکہ کا سبق یہ ہے: جب کوئی فریق طاقتور ہو تو وہ 'اذھبوا فأنتم الطلقاء' کا جذبہ اپنائے۔ سب سے بڑا دشمن بھی حلیف بن جاتا ہے جب اسے وقار کے ساتھ راستہ دیا جائے۔(31)

(ب) افغانستان کا المیہ بمقابلہ پیغمبرانہ حکمتِ عملی:

افغانستان میں امریکی انخلاء (اگست ۲۰۲۱) کے بعد کی صورتحال نے ثابت کیا کہ عسکری فتح بغیر مصالحت کے پائیدار نہیں ہوتی۔ بیس سال کی جنگ اور کھربوں ڈالر کے باوجود ملک اسی حال میں واپس آیا۔ دوحہ معاہدہ (۲۰۲۰) کو اس لیے ناکامی ہوئی کیونکہ اس میں طاقت کا توازن تھا، معافی اور اعتماد کی تعمیر نہیں۔ فتح مکہ کا اصول: 'دشمن کو راستہ دو، اسے تحفظ دو، اس کا وقار بحال کرو' اگر اپنایا جاتا تو شاید یہ المیہ نہ ہوتا۔(32)

(ج) فلوجہ بمقابلہ فتح مکہ:

۲۰۰۴ میں فلوجہ کی امریکی فوجی کارروائی میں شہری آبادی کو بھاری نقصان پہنچا، شہر تباہ ہوا، اور مزاحمت مزید شدید ہو گئی۔ اس کے برعکس فتح مکہ میں شہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، شہری آبادی کو تحفظ دیا گیا، اور مزاحمت قلوب کی فتح میں بدل گئی۔ نتیجہ: مکہ صدیوں سے امن کا مرکز بنا رہا؛ فلوجہ آج تک مکمل طور پر مستحکم نہیں ہوا۔

(د) اقوامِ متحدہ کا R2P اصول اور نبوی ذمہ داری:

اقوامِ متحدہ کا 'Responsibility to Protect' (R2P) کا اصول، جو ۲۰۰۵ میں اپنایا گیا، یہ تسلیم کرتا ہے کہ کوئی بھی ریاست اپنے شہریوں کو بے لگام قتل نہیں کر سکتی اور عالمی برادری کی ذمہ داری ہے کہ وہ مداخلت کرے۔ یہ اصول فتح مکہ کے اس بنیادی اصول کی جدید دستاویزی شکل ہے کہ فاتح کی ذمہ داری مفتوح کی حفاظت

ہے، تباہی نہیں۔ تاہم R2P کے نفاذ میں بین الاقوامی سیاست کی رکاوٹیں اس اصول کو نبوی ماڈل سے کمتر بناتی ہیں — کیونکہ آنحضور ﷺ نے بلا تفریق اور بلا شرط معافی دی تھی۔(33)

۸۔ مقاصدِ شریعت کی روشنی میں فتح مکہ کا تجزیہ

فتح مکہ کی پیغمبرانہ حکمتِ عملی کو مقاصدِ شریعت کے فریم ورک میں دیکھا جائے تو اس کی گہرائی اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ امام الشاطبیؒ کے مقاصدِ خمسہ حفظ الدین، النفس، العقل، النسل، المال سب فتح مکہ کی حکمتِ عملی میں واضح طور پر نظر آتے ہیں۔(34)

حفظ الدین (دین کی حفاظت): خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنا، اذان کا آغاز، اور توحید کا اعلان یہ سب حفظ الدین کے تحت آتے ہیں۔ لیکن آنحضور ﷺ نے دین کی حفاظت کو دوسرے مذاہب کے ساتھ دشمنی کے طور پر نہیں بلکہ اپنے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کا احترام کرنے کے طور پر سمجھا۔

حفظ النفس (جان کی حفاظت): عفوِ عام کا اعلان، غیر جنگجوؤں کا تحفظ، اور خون بہانے سے گریز یہ سب حفظ النفس کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ جاسر عودہ نے لکھا ہے کہ حفظ النفس صرف اپنی جان کی حفاظت نہیں بلکہ ہر انسانی جان کا احترام ہے چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو۔(35)

حفظ المال (مال کی حفاظت): مکہ کے باشندوں کی ملکیتوں، گھروں، اور تجارت کو محفوظ رکھنا۔ کوئی لوٹ مار نہیں ہوئی، کوئی جائیداد نہیں چھینی گئی۔ یہ معاشی حقوق کا وہ تحفظ ہے جسے جدید بین الاقوامی قانون 'Protection of Property Rights in Post-Conflict Situations' کہتا ہے۔

حفظ النسل (نسل کی حفاظت): عورتوں اور بچوں کا تحفظ، خاندانوں کو ٹوٹنے سے بچانا، اور سماجی ڈھانچے کو برقرار رکھنا یہ حفظ النسل کا عملی مظاہرہ تھا۔ حفظ العقل (عقل کی حفاظت): لوگوں کو آزادانہ سوچنے، غور کرنے، اور پھر اسلام قبول کرنے کا موقع یہ حفظ العقل کا تقاضا تھا۔

۹۔ فتح مکہ سے ماخوذ اصولِ امن: ایک مکمل نظریاتی فریم ورک

فتح مکہ کی پیغمبرانہ حکمتِ عملی سے درج ذیل پانچ بنیادی اصول اخذ کیے جا سکتے ہیں جو عصرِ حاضر کے تنازعاتی حل کے لیے ایک مکمل نظریاتی فریم ورک فراہم کرتے ہیں:

اوّل: اصولِ قوتِ برائے امن (Force for Peace Principle): طاقت کا استعمال دشمن کو ختم کرنے کے لیے نہیں بلکہ امن قائم کرنے کے لیے ہو۔ فتح مکہ میں دس ہزار کی فوج نے لڑائی نہیں لڑی بلکہ امن کی ضمانت دی۔ طاقت وہاں تھی لیکن اس کا استعمال وہاں نہیں کیا گیا جہاں ضرورت نہیں تھی۔ جدید امن نظریہ میں یہ 'Coercive Diplomacy' کا بہترین نمونہ ہے۔(36)

دوم :اصولِ عفوِ استراتیجی (Strategic Clemency Principle): دشمن کو معاف کرنا کمزوری نہیں بلکہ ایک طاقتور حکمتِ عملی ہے جو سابق دشمنوں کو حلیف بناتی ہے۔ ابو سفیانؓ، عکرمہؓ، صفوانؓ سب آنحضور ﷺ کے بعد اسلام کے محافظ بنے۔ یہ 'Transformative Leadership' کا وہ نمونہ ہے جس کا ذکر جدید لیڈر شپ سائنس میں بھی ملتا ہے۔

سوم :اصولِ ادارہ جاتی تسلسل(Institutional Continuity Principle): مفتوح قوم کے قابلِ قبول اداروں کو ختم نہ کیا جائے بلکہ انہیں اصلاحی عمل سے گزارا جائے۔ کعبے کی چابی واپس کرنا، مقامی گورنر مقرر کرنا یہ سب اس اصول کی مثالیں ہیں۔

چہارم :اصولِ انصافِ بحالی(Restorative Justice Principle): محض سزا نہیں بلکہ سماجی تعلقات کی بحالی، معاشرتی ہم آہنگی، اور اعتماد کی تجدید مقصود ہو۔ فتح مکہ میں انصاف کا مطلب مجرموں کو سزا دینا نہیں بلکہ سماج کو جوڑنا تھا۔

پنجم :اصولِ وقارِ انسانی (Human Dignity Principle): مغلوب کو ذلیل نہ کیا جائے۔ آنحضور ﷺ نے مکہ میں داخل ہوتے ہوئے سر جھکایا، تکبر کا کوئی مظاہرہ نہیں فرمایا۔ اقوامِ متحدہ کا پورا انسانی حقوق کا ڈھانچہ بھی اسی اصول کے گرد بنا ہے لیکن فتح مکہ نے یہ اصول ۱۴۰۰ سال پہلے عملاً نافذ کیا۔

۱۰۔ عصری مسلم دنیا کے لیے رہنمائی: OIC سے لے کر داخلی تنازعات تک

او آئی سی (OIC) سمیت تمام اسلامی ادارے فتح مکہ کے اصولوں کو اپنی خارجہ پالیسی کا حصہ بنانے کے پابند ہیں۔ OIC کا منشور اسلامی اصولِ امن کو بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد قرار دیتا ہے لیکن عملاً یہ ادارہ یمن، فلسطین، اور افغانستان کے تنازعات میں کوئی موثر کردار ادا نہیں کر سکا۔(37)

UNDP کی عرب انسانی ترقی رپورٹ (۲۰۲۲) نے ثابت کیا ہے کہ مسلم اکثریتی ممالک میں داخلی تنازعات اور پسماندگی کا گہرا تعلق ہے۔ جب تک مسلم ممالک اپنے داخلی تنازعات کو فتح مکہ کے اصولوں کی روشنی میں حل نہیں کریں گے، خارجی پالیسی میں قیادت ممکن نہیں ہو گی۔(38)

اسلامی فقہ اکیڈمی نے اپنی قرارداد نمبر ۲۳۸(۲۰۱۹) میں نئے مسائل پر اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا۔ فتح مکہ کا سبق یہ ہے کہ اجتہاد صرف کتابوں میں نہیں بلکہ زندگی کے عملی تقاضوں میں ہونا چاہیے آج کے تنازعات، ثالثی، اور مصالحت میں اسلامی اصولوں کا اطلاق وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

محمد حمید اللہ نے ثابت کیا ہے کہ اسلامی بین الاقوامی قانون نے یورپی قانونِ اقوام سے صدیوں پہلے جنگی قوانین مدوّن کیے۔ اقوامِ متحدہ کے منشور کے جو اصول ہیں تنازعات کا پرامن حل، طاقت کا متناسب استعمال، سفارت کاری کو

ترجیح یہ سب فتح مکہ کے ماڈل میں پہلے سے موجود ہیں۔ مسلم دنیا کو آج اس ورثے پر فخر کرنے کے ساتھ ساتھ اسے عملاً اپنانے کی ضرورت ہے۔

۱۱۔ خاتمہ: چودہ صدیوں کا سبق آج کے لیے

فتح مکہ کو جتنا ہم سمجھنے کی کوشش کریں، اتنا ہی اس کی گہرائی بڑھتی جاتی ہے۔ یہ محض ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ ایک ابدی فلسفہ ہے۔ آنحضور ﷺ نے ثابت کیا کہ سب سے بڑی طاقت تلوار نہیں بلکہ معافی ہے۔ سب سے بڑی فتح جنگ نہیں بلکہ دلوں کو جیتنا ہے۔ سب سے پائیدار امن وہ نہیں جو طاقت سے مسلط کیا جائے بلکہ وہ ہے جو اعتماد اور احترام سے تعمیر ہو۔(39)

ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ آنحضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن کعبے کے اندر دو رکعت نماز ادا فرمائی اور پھر دروازے پر کھڑے ہو کر اہلِ مکہ کو خطاب فرمایا: 'لا إلہ إلا اللہ وحدہ لا شریک لہ، صدق وعدہ ونصر عبدہ.' یہ وہ خطبہ ہے جس نے ایک نئی تاریخ کا آغاز کیا نہ فخر کا خطبہ، نہ انتقام کا اعلان، بلکہ شکرِ الٰہی کا اظہار۔

گالٹنگ کے الفاظ میں فتح مکہ نہ صرف 'منفی امن' (جنگ کا خاتمہ) تھی بلکہ 'مثبت امن' (انصاف، وقار، اور شمولیت) کا بھی قیام تھا۔ یہ وہ معیار ہے جسے جدید دنیا ابھی تک مکمل طور پر حاصل نہیں کر سکی۔

جدید دنیا جب تنازعاتی حل کے نئے ماڈل تلاش کرتی ہے تو اسے پیچھے مڑ کر دیکھنا ہوگا اس روز کی طرف جب ایک نبی ﷺ نے اپنے بدترین دشمنوں کو 'اذھبوا فأنتم الطلقاء' کہا اور دنیا کی تاریخ بدل گئی۔ اس واقعے میں ہر عصر، ہر قوم، اور ہر تنازعے کے لیے سبق موجود ہے۔

فتح مکہ کا یہ پیغام آج بھی اتنا ہی تازہ، اتنا ہی ضروری، اور اتنا ہی قابلِ عمل ہے جتنا چودہ سو سال پہلے تھا۔ سوال صرف یہ ہے کہ ہم اس سے سیکھنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں۔ کیا آج کے حکمران، مفکر، اور پالیسی ساز فتح مکہ کی اس دستاویز کو کھول کر پڑھنے کی توفیق رکھتے ہیں؟

* * * * * * * *

(1) ابن ہشام.(1955).السیرۃ النبویۃ(مصطفی السقا، ابراہیم الأبیاری، وعبدالحفیظ شلبی، محققین؛ج 2).القاہرہ: مصطفی البابی الحلبی. ص ۱۳۵–۱۴۴۔

(2) Lings, M. (2006). *Muhammad: His life based on the earliest sources* (Reprint ed.). Islamic Texts Society. 295–302

(3) الطبری، محمد بن جریر.(1967).تاریخ الرسل والملوک(محمد أبو الفضل إبراہیم، محقق؛ج 3).القاہرہ: دار المعارف۔ ص ۵۴–۶۱۔

(4) Galtung, J. (1969). Violence, peace, and peace research. Journal of Peace Research, 6(3), 167–191.

(5) محمد حمید اللہ .(1985) .الوثائق السیاسیۃ .بیروت: دار النفائس۔ ص ۴۷–۵۳۔

(6) Hamidullah, M. (1977). The Muslim conduct of state (7th rev. ed.). Sh. Muhammad Ashraf. 167–184 Hamidullah, M. (1975). The first written constitution in the world. Sh. Muhammad Ashraf. 3–15

(7) محمد حمید اللہ .(1987) .العلاقات الدولیۃ فی الإسلام .بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ۔ ص ۱۲۰–۱۳۵۔

(8) Al-Wāqidī, Muḥammad ibn ʿUmar. (1966). Kit*ā*b al-Magh*āzī* (J. M. B. Jones, Ed.; Vol. 2). Oxford University Press. 819–835.

(9)Fisher, R., Ury, W., & Patton, B. (2011). Getting to yes: Negotiating agreement without giving in (3rd ed.). Penguin Books. 11–14, 40–55

(10)السجستانی، أبو داود سلیمان بن الأشعث .(2009) .السنن (شعیب الأرنؤوط وآخرون، محققون؛ج 4). دار الرسالۃ العالمیۃ. (حدیث نمبر2763).

(11) International Committee of the Red Cross. (2005). Customary international humanitarian law (J.-M. Henckaerts & L. Doswald-Beck, Eds., 2 vols.). Cambridge University Press.

(12)ابن ہشام .(1955) .السیرۃ النبویۃ(مصطفی السقا، ابراہیم الأبیاری، وعبدالحفیظ شلبی، محققین؛ج 2).القاہرہ: مصطفی البابی الحلبی. ص ۲۸۹–۲۹۲

(13)مسلم بن الحجاج النیسابوری .(1954) .الجامع الصحیح (صحیح مسلم)(محمد فؤاد عبدالباقی، محقق؛ج 3).القاہرہ: دار إحیاء الکتب العربیۃ.(حدیث نمبر1775).

(14)أحمد بن حنبل .(2001) .مسند الإمام أحمد بن حنبل (شعیب الأرنؤوط وآخرون، محققون؛ج 15).بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ.(حدیث نمبر9782).

(15) United Nations. (1945). Charter of the United Nations. United Nations.United Nations Security Council. (1967). Resolution 242 (1967). United Nations.United Nations General Assembly. (2005). 138–139.

(16) Bremer III, L. P. (2006). My year in Iraq: The struggle to build a future of hope. Simon & Schuster. 1–20.

(17)البخاری، محمد بن إسماعیل .(2001) .الجامع الصحیح (محمد زہیر بن ناصر الناصر، محقق؛ج 5).بیروت: دار طوق النجاۃ.(حدیث نمبر4280).

(18)ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ .(1992) .الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب (علی محمد البجاوی، محقق؛ج 3). القاہرہ: دار الجیل. ص۱۰۶۸–۱۰۷۲۔

(19)ابن الأثیر، علی بن محمد .(1994) .أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ج 5).بیروت: دار الکتب العلمیۃ. ص۲۳۶–۲۳۸۔

(20)Armstrong, K. (1992). Muhammad: A biography of the Prophet. HarperSanFrancisco. 229–235

(21) Gandhi, M. (1993). The story of my experiments with truth (M. Desai, Trans.). Beacon Press. (Original work published 1927), 337.

(22) Mandela, N. (1994). Long walk to freedom. Little, Brown and Company. 491–506.

(23)Powell, J. (2008). Great hatred, little room: Making peace in Northern Ireland. Bodley Head. 89–102

(24) Israel & Palestine Liberation Organization. (1993). Declaration of Principles on Interim Self-Government Arrangements (Oslo Accords).

(25)ابن حجر العسقلانی، أحمد بن علی .(1992) .الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ (علی محمد البجاوی، محقق؛ج 4).بیروت: دار الجیل. ص ۳۵۴۔

(26)أبویوسف،یعقوب بن إبراہیم الأنصاری .(1979) .کتاب الخراج .بیروت:دارالمعرفة.ص۱۸۹—۱۹۵۔

(27) Lederach, J. P. (1997). Building peace: Sustainable reconciliation in divided societies. United States Institute of Peace Press. 23–35.

(28)ابن کثیر، إسماعیل بن عمر .(1988) .البدایة والنهایة (علی شیری، محقق؛ ج 4). بیروت: دار إحیاء التراث العربی. ص۲۸۸—۳۱۰۔

(29)صفی الرحمٰن المبارکپوری .(2002) .الرحیق المختوم .الریاض:دارالسلام.ص۳۸۹—۴۰۱۔

(30)ابن قدامة، موفق الدین عبداللہ بن أحمد .(1992) .المغنی (عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی وعبدالفتاح محمد الحلو، محققان؛ ج9). القاہرہ: ہجر. ص۲۳۱—۲۳۵۔

(31) United Nations Office for the Coordination of Humanitarian Affairs. (2024). Yemen humanitarian update (Issue 1). United Nations Security Council. (2015). Resolution 2216 (2015). United Nations.

(32) Barfield, T. (2010). Afghanistan: A cultural and political history. Princeton University Press. Special Inspector General for Afghanistan Reconstruction. (2021). What we need to learn: Lessons from twenty years of Afghanistan reconstruction. SIGAR. 1–8.

(33) Annan, K. (2012). Interventions: A life in war and peace. Penguin Press. Bellamy, A. J. (2009). Responsibility to protect: The global effort to end mass atrocities. Polity Press.

(34)الشاطبیّ، إبراہیم بن موسیٰ .(1997) .الموافقات فی أصول الشریعة(ج2).بیروت:دارابن عفان.ص۸—۱۰۔

(35) Auda, J. (2008). Maqasid al-Shariah as philosophy of Islamic law: A systems approach. International Institute of Islamic Thought. 3–22.

(36) القرضاوی، یوسف .(2009) .فقه الجهاد: دراسة مقارنة لأحکامه وفلسفته فی ضوء القرآن والسنة (ج 1). القاہرہ: مکتبة وہبة. ص۵۴۲—۵۵۸۔

(37) Organization of Islamic Cooperation. (2008). Charter of the Organization of Islamic Cooperation. Organization of Islamic Cooperation.

(38) United Nations Development Programme. (2022). Arab human development report 2022: Expanding opportunities for an equitable and resilient recovery. United Nations Development Programme. 98–115

(39)ابن القیم الجوزیۃ، محمد بن أبي بکر .(1994) .زاد المعاد فی ہدی خیر العباد (شعیب الأرنؤوط وعبد القادر الأرنؤوط، محققان؛ ج3). بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ. ص٣٣٦–٣٥١۔